اُردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:3، شمارہ:2(جولائی تا دسمبر 2025ء)
ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286, HEC Recognized Y-Category Journal

ڈاکٹر محمد ارسلان (راٹھور)
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور

نیّر مسعود اور کافکائی ادب کے تراجم

Dr. Muhammad Arsalan (Rathore)
Assistant Professor, Govt. College University, Lahore

Naiyar Masud and Translations of Kafkaesque literature

ABSTRACT

Naiyar Masud is a highly significant and eminent name in Urdu literature specifically in fiction and translation. His writings are often considered deeply influenced by those of Franz Kafka. Naiyar Masud himself maintained that he had begun writing short stories even before reading Kafka; however, Kafka's works completely transformed his literary world. Masud also translated Kafka's stories, and this book holds great importance in the realm of translation for its uniqueness and its deep understanding of Kafka's inner world. This paper aims to explore and analyze Naiyar Masud's translations of Kafka's literary works.

Keywords: *Naiyar Masud, Franz Kafka, Kafkaesque, Kafka kay Afsany, German Stories, Urdu Translations, Hama rang Hama dan, Sagri Seen Gupta*

فرانز کافکا جرمن زبان کا وہ مشہور ادیب ہے جس کی تحریروں کے اثرات بہت نمایاں ہیں۔ وہ جرمن زبان بولنے والے یہودی والدین کے ہاں چیک ریپبلک میں ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۴ء میں ٹی بی کی مہلک مرض سے فوت ہو گیا۔ بیسویں صدی کے عالمی تناظر میں شاید ہی کوئی فکشن نگار کافکا کے اثرات سے محروم رہا ہو۔ لہٰذا اس کی موت کے بعد ہی اس کی تحریروں کا دیگر زبانوں میں ترجمہ ہونے لگا۔ اُردو میں بہت سے لوگوں نے کافکا کا ترجمہ کیا جن میں رحم علی ہاشمی (پر اثرار مقدمہ ۱۹۸۰ء)، عاصم بٹ (کافکا کہانیاں ۲۰۱۳ء) اور نیر مسعود (کافکا کے افسانے ۱۹۷۱ء) وغیرہ شامل ہیں۔ نیر مسعود تقدیم اور معیار کے اعتبار سے پہلے مترجم ہیں۔ تینوں مترجمین میں سے ضخامت کے لحاظ سے سب سے چھوٹا ترجمہ نیر مسعود ہی کا ہے۔ یہ ترجمہ بیس کہانیوں کو محیط ہے۔ جن کے صفحات کی تعداد ۸۰ سے بھی کم ہے۔ گو کہانیوں کی تعداد بیس ہے تاہم یہ ترجمہ سعدی کے الفاظ، بصورت کہتر بقامت بہتر پر پورا اترتا ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ اجمل کمال نے اس کے حوالے سے لکھا ہے کہ "کافکا کی تحریروں پر یوں تو اُردو کے متعدد مترجمین نے طبع آزمائی کی ہے لیکن یہ ترجمے ان تمام کوششوں میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔"(1)

نیر مسعود نے یہ ترجمے بنیادی طور پر وقتاً فوقتاً شمس الرحمن فاروقی کے مشہور جریدے "شب خون" کے لئے کیے تھے، ابتدائی پانچ مختصر تحریریں ۱۹۷۱ء کے نمبر میں چھپی۔ فاروقی صاحب کی فرمائش اور اصرار پر کچھ مزید ترجمے کئے گئے۔ نیر مسعود کے الفاظ میں ان کی تفصیل درج ذیل ہے:

> "فروری ۱۹۷۴ء تک یہ سب ترجمے مکمل ہو گئے مگر طباعت کے ہفت خواں طے کرنے کی ہمت نہ تھی اس لئے میں نے مسودے کو طاق نسیاں پر رکھ دیا۔ ۱۹۷۴ء کے آخر میں ڈاکٹر مسیح الزماں کی نظر اس مسودے پر پڑی اور وہ اسے اپنے ساتھ الٰہ آباد لے گئے۔ دس دن کے اندر اس کی کتابت شدہ کاپیاں انھوں نے مجھ کو بھیج دیں اور لکھا کہ اس کا مقدمہ اور تصحیح شدہ کاپیاں بھیج دو، کتاب ایک ہفتے کے اندر تیار ہو جائے گی۔۔۔"(2)

کتابی مجموعے میں کل کہانیوں کی تعداد بیس ہے ہر کہانی کتابی مجموعے سے پہلے علیحدہ ترجمے کے طور پر ہندوستان و پاکستان کے مختلف ادبی رسالے یا رسالوں میں چھپی ہے۔ کتابی مجموعوں پر بات کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کہانیوں کی رسالوں میں اشاعت کی داستانِ پارینہ تاریخ بتاریخ درج کر کے تحقیق کے تقاضے پورے کر لئے جائیں۔

یہ سارے افسانے پہلی بار کتابی صورت میں ۱۹۷۸ء میں لکھنو سے (کافکا کے افسانے: ترتیب و ترجمہ: نیر مسعود) کے عنوان سے شائع ہوئے جبکہ ان کی دوسری اشاعت ۲۰۰۹ء میں کراچی کے معروف ادبی ادارے "آج کی کتابیں" سے ہوئی۔ دونوں کتابیں ہو بہو ایک ہی ہیں اور ان میں کوئی اضافہ یا ترمیم نہیں کی گئی ہے۔ البتہ لکھنؤ والے پہلے ایڈیشن کے کل صفحات ۹۷ ہیں۔ اس ایڈیشن میں کتاب کے پہلے صفحے پر کافکا کے آخری دور کی ایک تصویر بھی دی گئی ہے اسی پہلے ایڈیشن کی فہرس کے آغاز میں کافکا کے عکس کا شکستہ حصہ پیش کیا گیا ہے جس میں صرف آنکھیں اور کان نمایاں ہیں اس کے بعد دو صفحے کی فہرست ہے اور اس کے بعد ناک سے ٹھوڑی تک کا باقی چہرہ ہے اگلے ہی صفحے میں کافکا کی ایک اور تجریدی تصویر دی گئی ہے جس کے نیچے عرفی شیرازی کا یہ اقتباس درج ہے جو انھوں نے عبدالرحیم خان خاناں کے نام عالم نزع میں لکھے گئے خط میں تحریر کیا تھا۔ بیان را بینید: "عقل را چہ دیدم، دانشمندے مصروع کہ از صرع بر خاستے دہشت ناک بہ ہر سو می نگرد۔۔۔" (ترجمہ، حواشی: عقل کو کیا دیکھوں گویا کہ ایک غش کھایا ہوا دانشمند: جو ابھی ابھی اپنے خلل سے اٹھا ہو اور دہشت ناکی سے ہر طرف دیکھنے لگے)۔ کتنی حیرت اور اتفاق کی بات ہے کہ کافکا نے بھی نزع کی شدت میں اپنے دوست ڈاکٹر کلاپشٹاک کو کہا تھا:

Kill me or you are a murderer

اس اتفاق کو ژونگی نفسیات میں ہم وقتیت یا ہم زمانیت (Synchronicity) کہنا مناسب ہے۔ نیر مسعود نے کافکا کے اس انگریزی جملے کا جو باکمال ترجمہ کیا وہ سننے سے قبل ان کے رازدان دوست انیس اشفاق کی زبانی اس ترجمے کا دلچسپ واقعہ بھی سن لیں:

"جب وہ کافکا کا ترجمہ کر رہے تھے تو ایک دن میں نے دیکھا کہ کھلے ہوئے رجسٹر کے سامنے سر پکڑے بیٹھے ہیں میں نے پوچھا خیریت ہو؟ بولے، کل سے اس جملے میں الجھا ہوا ہوں لیکن مشکل آسان نہیں ہو رہی ہے میں نے پوچھا کونسا جملہ؟ پڑھ کر سنایا: Kill me or you are a murderer (یہ جملہ مرنے سے پہلے کافکا نے اپنے ڈاکٹر سے کہا تھا) جملہ سن کر رجسٹر بند کر دیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ دو تین دن بعد میں پہنچا تو دیکھا وہی رجسٹر کھولے ہوئے آرام سے سگریٹ کے کش لے رہے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہی بولے بھئی مشکل حل ہو گئی۔

یعنی؟ اس جملے کا ترجمہ ہو گیا اور جیسا میں چاہتا تھا ویسا ہی ہوا۔ یہ کہہ کر مجھے ترجمہ پڑھ کر سنایا:

"مجھے مار ڈالو نہیں تو میرا خون تمھاری گردن پر ہو گا۔"

یہ ترجمہ اُردو کے مزاج سے کلی مطابقت رکھتا ہے۔"(3)

یہ اقتباس ظاہر کرتا ہے کہ نیر مسعود نے کافکا کی پیچیدہ کیفیات کو سادہ اُردو میں ڈھالنے کے لئے کیا کیا پاپڑ بیلے ہیں۔ اس جملۂ معترضہ کے بعد اس سوال کی طرف آتے ہیں کہ پاکستان والے حالیہ ایڈیشن میں فہرس کی یہ فنکاری اور عرفی کا اقتباس کیوں غائب ہے۔ کیوں کہ نیر مسعود کا ادنیٰ سے ادنیٰ قاری بھی یہ بات جانتا ہے کہ ان کے جملے تو جملے کتاب کے گرد پوش یا جدید تنقید کے الفاظ میں paratext کی چیزوں کے طور پر لگائے گئے نقطے اور چھوڑے گئے وقفے بھی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ اس غَیبت کی وجہ نیر مسعود کی اپنی بیماری اور پاکستانی ایڈیشن کی اشاعت کی جانب طبعی بے رغبتی بھی ہو سکتی ہے اگرچہ اجمل کمال اور ان کے ادارے سے ایسا ہونا معنی خیز ہے جس کا حتمی جواب یقیناً ناشر ہی دے سکتے ہیں۔

دونوں طباعتوں کے ابتدا میں نو صفحے کا کافکا پر سوانحی مضمون شامل ہے جس کا عنوان بھی "کافکا" ہی ہے۔ یہ مضمون اُردو میں کافکا کی سوانح پر لکھے گئے چند قیمتی، مستند، آسان اور درست ترین صفحات میں شامل ہے۔ اس مضمون کے آغاز ہی میں نیر مسعود نے پاورق میں اس چیز کی وضاحت کر دی ہے کہ انھوں نے کافکا کے حالات زندگی میکس براڈ کی لکھی ہوئی سوانح عمری سے لئے ہیں۔ انھوں نے کافکا کے حالات اور فن کو جس اختصار، ایجاز اور جامعیت سے بیان کیا ہے اس کی بھی مثال نہیں ملتی۔ جن لوگوں نے رجب علی بیگ سرور پر نیر مسعود کی کتاب کو بغور پڑھا ہے وہ جانتے ہیں کہ لمبی اور پر معانی بحثوں اور قصوں کو مختصر اور بھرپور پیرائے میں ادا کرنا شروع ہی سے نیر مسعود سے مخصوص رہا

ہے۔ سوانح کے علاوہ کافکا کے فن پر انھوں نے مختصراً جو جملے لکھے ہیں وہ آج بھی کئی صفحوں کی غیر وضاحتی تفصیل سے آگے کی چیز ہیں، ملاحظہ ہو:

> "دستوویسکی کی تحریروں کے بر خلاف، جنھیں پڑھ کر انسان اپنے آپ کو بدلا ہوا محسوس کرتا ہے، کافکا کی تحریر پڑھ کر اسے دنیا بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ شروع شروع میں کافکا کی تحریر خواب پریشاں کا تاثر دیتی ہے لیکن آخر آخر یہ خواب حقیقت بن جاتا ہے اور مطالعہ ختم کر لینے کے بعد جب قاری اپنی مانوس دنیا میں واپس آتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ وہ ایک نئے خواب پریشاں میں داخل ہو گیا ہے۔ لیکن اس خواب پریشاں میں انتشار نہیں ہے بلکہ کسی مرموز نظام کے تحت اس میں سب کچھ ایک دوسرے سے مربوط ہے۔ ربط کا یہ احساس قاری کے دماغ میں ہل چل پیدا کر دیتا ہے اور اس کو ہر چیز میں ایک نہایت مبہم مگر نہایت اہم قسم کی معنویت نظر آنے لگتی ہے۔ یہ معنویت مذہبی سے لے کر جنسی تک ہو سکتی ہے۔ کافکا کی تحریروں کی کثیر التعداد تاویلوں کا یہی سبب ہے اور یہی کافکا کی انفرادیت ہے۔"(4)

یہ اقتباس اس مضمون کا حصہ ہے جو نیر مسعود نے ۱۹۷۸ء میں لکھا لیکن کافکا پر یہ خیالات اتنے جدید اور باجواز ہیں کہ آج بھی ان میں سے اکثر بحثیں کافکا کے مغربی مطالعے میں مرکزے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ نیر مسعود نے اپنی پہلی کہانی ۱۹۷۱ء میں لکھی۔ ان کے اپنے افسانے پر کافکا کی بہت تخلیقی استفادے کی کیفیت ملتی ہے لیکن انھوں نے خود اس بات کی یوں نفی کی ہے:

> "یہ بہت دل چسپ بات ہے کہ میں نے جو فارسی اور انگریزی سے کچھ ترجمے کئے، صادق ہدایت اور کافکا کے ترجمے کئے، ان میں میرا سٹائل بھی اس طرح شامل ہوا کہ لوگوں کو خیال ہوا کہ میں صادق ہدایت سے متاثر ہوں اور کافکا سے بھی متاثر ہوں حالانکہ جب افسانے لکھنا شروع کیا اس وقت تک تو کافکا کو پڑھا ہی نہیں تھا۔ لیکن جب پڑھا تو محسوس ہوا کہ جو زبان وہ لکھ رہا ہے وہ میری بہت پسندیدہ، میرے مطلب کی زبان ہے اور جیسا میں لکھتا ہوں اس طرح کی زبان میں اس کا ترجمہ بھی ہو سکتا ہے تو اس کی وجہ سے یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا دونوں ایک ہی آدمی کی تحریریں ہیں اور یہ کوئی ترجمے کی خوبی نہیں ہے۔"(5)

اس پیراگراف کے آخر میں ایک انتہائی باریک، قابل توجہ اور لائق آموزش نکتہ ہے جس پر غور لازم ہے۔ نیر مسعود نے اپنے کافکا کے تراجم کو کسی خوبی سے منسوب نہیں کیا ہے یعنی ان کا ماننا یہ ہے کہ کوئی بھی مترجم جب اپنی کسی طبع زاد

فن پارے میں کسی اسلوب کا حامل ہوتا ہے اور سوئے اتفاق ترجمہ کرنے کے لئے بھی اسے کوئی ایسا ہی فن پارہ مل جاتا ہے جو اس کے فطری اسلوب سے مطابقت رکھتا ہے تو یقیناً ترجمے میں سہولت کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی سہولت کو انھوں نے ترجمے میں کوئی خوبی نہ ہونے سے منسوب کیا ہے۔ غور کریں تو تفکر اور گہرائی کے سبب سے یہ بات محیط گیر تو ہے ہی لیکن اس کسوٹی یا مناسب الفاظ میں Bowshot کے جس معیار کو انھوں نے اپنے لیے پیمانہ بنایا ہے، وہ یہ بھی بتاتا ہے، کہ ان کے ہاں ادب اور ادب فہمی کا درجہ کس قدر بلند تھا، اور انھی بلندیوں سے اس عظمت نے ظہور کیا، جس سے ان کی سعادت کو منسوب کرنا ہی راجح ہے۔

اس مضمون میں دیگر مثبت پہلو تو بہت ہیں لیکن کمی کی ایک ہی صورت محسوس ہوتی ہے اور وہ یہ کہ نیر مسعود نے کافکا کے کس انگریزی متن کو بنیاد بنا کر اُردو تراجم کئے ہیں اس کا ذکر مفقود ہے۔ کیوں کہ جہاں تک ہمارے علم میں ہے وہ جرمن زبان نہیں جانتے تھے لہذا بہت سے انگریزی مترجمیں کی موجودگی میں انھوں نے جس انگریزی مترجم کو اُردو ترجمے کے لئے چنا ہو گا وہ بھی بے اعتنا ہر گز نہ ہو گا۔ یہاں پہ اس بات کا ذکر کرنا بے حد ضروری ہے کہ اُردو میں کافکا کے براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ کرنے والے مترجم بھی موجود ہیں ہماری مراد منیر الدین احمد سے ہے۔

انگریزی متن کی غیر موجودگی میں نیر مسعود کے بیس افسانوی تراجم کی بہتر صورت اس وقت سامنے آسکتی ہے جب ان کے تراجم کا عاصم بٹ کے تراجم سے موازنہ کیا جائے۔ عاصم بٹ کے تراجم "کافکا کہانیاں" کی اشاعت اول ۲۰۱۳ء میں ظہور میں آئی۔ یہ ترجمہ کافی ضخیم ہے اور قریباً ۴۰۰ صفحات پر مبنی ہے۔ نیر مسعود نے اپنے ترجمے میں جس پہلے افسانے کو جگہ دی ہے وہ شکاری گریکس ہے۔ سمندر کے گھاٹ پر پیش آنے والی اس محیر العقول لیکن واضح اور روشن بیانے کی کہانی کے کچھ اقتباس موازنے کے لئے ملاحظہ ہوں۔

نیر مسعود:

> "جہاز کی سواری میں آدمی اکثر پوچ قسم کے تصورات کا شکار ہو جاتا ہے لیکن یہ ان سب میں سے پوچ ترین ہے باقی میرا چوبی قفس بالکل خالی ہے پہلو کی دیوار کے موکھے سے جنوب کی رات کی گرم ہوا آیا کرتی ہے اور میں جہاز پر پانی کے تھپیڑے پڑنے کی آواز سنتا ہوں۔"(6)
>
> "اگر اس کو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ میں کہاں ملوں گا تو اس کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ میرا کیا کیا جائے، اس کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ میری مدد کس طرح کرے، میری مدد کرنے کا خیال ایک ایسی بیماری ہے جس کے علاج کے لئے بستر میں گھس رہنا پڑتا ہے۔"(7)

عاصم بٹ:

"جہاز میں انسان اکثر مختلف احمقانہ تصویروں سے دو چار ہوتا ہے لیکن یہ تو ان سب سے زیادہ احمقانہ ہے۔ اس کے علاوہ میرا چوبی پنجرہ خالی ہے۔ ایک جانب دیوار کے سوراخ سے جنوبی علاقوں کی رات کی گرم ہوا مجھ تک آتی ہے اور میں پانی کی لہروں کو اپنی پرانی کشتی سے سر ٹکراتے ہوئے سنتا ہوں۔"(8)

"کوئی مجھے نہیں جانتا اور اگر کوئی مجھے جانتا بھی ہے تو وہ یہ نہیں جانتا ہو گا کہ کہاں مجھے تلاش کرے اور اگر کوئی یہ جانتا ہو تو وہ یہ نہیں جان پائے گا کہ میرے لئے کیا کرے، وہ نہیں جان پائے گا کہ کیسے میری مدد کرے؟ میری مدد کا خیال ہی ایسا روگ ہے جس کا علاج یہ ہی ہے کہ انسان کو بستر پر لٹا دیا جائے۔"(9)

پہلے اقتباس کے موازنے سے سامنے آتا ہے کہ جس چیز کو نیر مسعود نے پوچ اور پوچ ترین کہا ہے عاصم بٹ نے احمقانہ اور سب سے احمقانہ سے منسوب کیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ دونوں حضرات نے انگریزی مترجم کا ذکر نہیں کیا لیکن اتنا واضح ہے کہ یہ جملے کہانی میں سیاق و سباق کے حوالے سے جس پراگندہ خیالی اور ذہنی بے ترتیبی کے ساتھ سامنے آئے ہیں انھیں احمقانہ کے لفظ سے منسوب کر دینا ضرورت سے زیادہ معصومانہ پن ہے۔ جملہ معترضہ کے طور پر عرض کرنا ضروری ہے کہ ظ انصاری نے چیخوف کے جو بے مثال تراجم کئے ہیں ان میں سے بھی ایک میں بحری قزاق باپ بیٹے کی بصری تلذذ پسندی (Voyeurism) کے لئے پوچ ہی کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ظاہر اُردو میں لفظ احمق کے سائے میں تشدیدی صورت موجود نہیں ہوتی۔ پوچ، اس کے بر خلاف تشدیدی حالت کو ظاہر کرتا ہے مزید یہ کہ نیر مسعود نے جس لفظ کو موکھا کہا ہے عاصم بٹ نے اسے دیوار کے سوراخ سے منسوب کیا ہے۔ موکھا خاص سنسکرت کا لفظ ہے اور اس کے کئی معانی ہیں ان سبھی معانوں میں کہیں نہ کہیں پانی یا نہر کی نالی اور اسی طرح کا کوئی تلازمہ موجود ہے۔ نیر مسعود لفظ کو لفظ کے سامنے بٹھانے کی بجائے لفظ کو لفظ کے روبہ رو تخلیق کرنے کے قائل ہیں۔ ہم نے اوپر ایک جگہ ان کے انٹرویو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ انھوں نے موبی ڈِک کے بے مثال اُردو ترجمے کی توصیف کرنے کے باوجود اس کی ایک کمی کی طرف اشارہ کیا ہے اور وہ ہے جہاز کی اصطلاحات کی عدم وضعی۔

اسی طرح دوسرے اقتباس کے موازنے سے بھی محاوروں کے باریک فرق سے ترجمے کے معیار کو جانچا جا سکتا ہے۔ مزید یہ بھی ہے کہ نیر مسعود اپنے ترجمے میں حیرت کی حد تک تشبیہ اور استعاروں سے دور رہتے ہیں۔ یہ ہی کافکا کا اسلوب بھی تھا لیکن اس بات کو تخلیقی طور پر سمجھنا اور اپنے قلم کی روشنائی کا حصہ بنانا کار دشوار ہے۔ انیس اشفاق نے بالکل بجا لکھا ہے:

"جن لوگوں نے نیر مسعود کی کتاب کافکا کے افسانے کا مطالعہ کیا ہے انھوں نے محسوس کیا ہو گا کہ ایسے مشکل افسانہ نگار کو انگریزی کی کیسی پیچیدہ زبان میں منتقل کیا گیا ہو گا۔ نیر مسعود نے اس پیچیدہ زبان کو اُردو میں بے مثال سہل زبان کا روپ دے دیا۔"(10)

''گیلری میں'' دو صفحوں کا افسانہ ہے جس میں بظاہر گھوڑے کی علامت سے زندگی کے روزمرہ المیوں کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس افسانے میں لمبے پیچیدہ جملوں کا ترجمہ اور افعال کا استعمال خصوصاً قابل رشک ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اسی طرح آرکیسٹرا گرجتا رہے گا اور ہوادان بھنبھناتے رہیں گے اور تماشائیوں کی تالیوں کا رہ رہ کے دبتا اور پھر سے ابھرتا ہوا شور کانوں میں ہتھوڑے چلاتا رہے گا، تب شاید گیلری کا نوجوان تماشائی ساری قطاروں کے زینے پھلانگتا ہوا اترتا رنگ میں گھس جاتا اور آرکیسٹرا کے بھونپوؤں میں دم توڑتے ہوئے نغمے کے بیچ ہی میں چیخ کر کہتا، بند کرو۔"(11)

نیر مسعود کے ترجمے میں شامل تیسری کہانی کا عنوان ''ایک قدیم مخطوطہ'' ہے۔ کہانی کا آغاز اور انجام غیر معلوم ہے لیکن ہر دور کی سیاسی کہانی کی طرح اس داستان میں بھی زوال اس درجے کو پہنچ چکا ہے جہاں پر وہ اپنے لانے والے ہاتھوں کی چکنائی تک چاٹ گیا ہے۔ غیر ملکی فوجی ویسی ہی درندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں جیسے ہر مقبوضہ علاقے میں جابروں کی کھیپ۔ نیر مسعود کے ترجمے کو نمونے کے طور پر ملاحظہ فرمائیں:

"آخر ہونا کیا ہے؟ ہم سب سے پوچھتے ہیں۔ ہم کب تک یہ بوجھ اور اذیت اٹھا سکتے ہیں؟ شہنشاہ کے محل میں ان وحشیوں کو یہاں کھینچ بلایا ہے لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ان کو واپس کیوں کر بلایا جائے۔ پھاٹک بند پڑا ہے۔ فوجی محافظ جو ہمیشہ اوپچی بن کر باہر نکلا کرتے ہیں، اب سلاخوں دار کھڑکیوں کے پیچھے رہتے ہیں۔"(12)

اس افسانے کا ترجمہ عاصم بٹ نے بھی کیا ہے۔ اوپر دئے گئے اقتباس میں سے ایک ہی لفظ نیر مسعود کے ترجمے کے صحیح پن کو ظاہر کرنے کے لئے کفایت کر رہا ہے۔ یعنی اوپچی، اوپچی سنسکرت کا لفظ ہے جس کے معنی ہتھیار بند مسلح اور متحرک نوجوان کے ہیں۔ نیر مسعود نے اس لفظ کو جس عمدگی سے استعمال کیا ہے اس کا جائزہ صرف اسی صورت میں لیا جاسکتا ہے جب ہم عاصم بٹ کی ترجمہ کردہ سطر کو تحریر کریں۔ وہ اس سطر کی جگہ رقم طراز ہیں:

" محل کا صدر دروازہ بند رہتا ہے اور اس پر پہرہ دینے والے شاہی محافظ جو ہمیشہ ایک خاص قاعدے سے اندر اور باہر آتے جاتے ہیں، سلاخ دار کھڑکیوں کے پیچھے رہتے ہیں۔"(13)

صاف واضح ہے کہ عاصم بٹ نے پیسہ ورانہ اصطلاح کی غیر موجودگی میں اس بے جا وضاحت سے کام لیا ہے جو عدم مہارت کی غمازی کرتی ہے۔ مرزا فرحت اللہ بیگ نے ڈپٹی نذیر احمد کے لازوال خاکے میں لکھا ہے کہ جب وہ ڈپٹی صاحب کی ہدایت پر ترجمہ کر کے لائے تو انھوں نے ایک انگریزی اصطلاح کے سامنے کالے گھوڑے کے الفاظ لکھ

دئے۔ ڈپٹی صاحب نے جوں ہی اسے دیکھا تو ہنس ہنس کر دہرے ہو گئے اور مضحکہ اڑاتے ہوئے کہنے لگے: کیوں نہیں میاں تم ایسے لفظ کیوں نہ لکھو، دلی کے جو ہو۔ فرحت اللہ بیگ نے جز بز ہو کر جب متبادل پوچھا تو ڈپٹی صاحب نے جھٹ سے کہا شب دیز۔ اور سچی بات ہے کہ کالے گھوڑے کی بجائے اس لفظ نے ایسی تلافی کر دی کہ دوسری کسی اصطلاح کا سوچا بھی نہیں جا سکتا۔[14]

اس مجموعے کے چوتھے افسانے کا عنوان "پاس سے گزرنے والے" ہے۔ بارہ سطروں کے اس افسانے میں جدید ذہن کے انتشار، زود احتیاطی اور مخمصے کو جس طور سے سامنے لایا ہے شاید بڑی بڑی کتابیں اس کے لئے ناکافی رہتیں۔ افسانے کے ترجمے میں عمدگی یہ ہے کہ حسب سابق رواں اور سادہ ہے لیکن اُردو کے لئے جرمن ماحول کی غرابت پر مشتمل کیفیت کو برقرار رکھ کے بیک وقت تفہیم اور اکتساب کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ پانچویں افسانے کا عنوان "خانہ دار کی پریشانیاں" ہے۔ جس کا متکلم ایک نادیدہ پوشیدہ اور غیر مستقل جسم رکھنے والی ہستی سے خوف زدہ ہے۔ ہمیں اس کہانی میں صرف اس ہستی کا نام پتا ہے، "اودرادِک۔" نام کی مخلوط پر بحث کرتے ہوئے متکلم کبھی تو لفظ کی لسانی اشتقاق میں جھانکتا ہے اور کبھی اس مخلوق کی نامعلوم ہیبت کا لرزہ خود پر طاری کر لیتا ہے۔ وہ اس پریشانی میں اپنی ذات سے بڑھا کر اپنے گھر بچوں اور آیندہ کی تخیلی زندگی سب پر محیط کر لیتا ہے:۔ آخری سطریں ملاحظہ ہوں:

> "تو کیا میں سمجھ لوں ایک نہ ایک وقت آئے گا جب وہ میرے بچوں اور میرے بچوں کے بچوں کی ٹانگوں تلے زینوں پر لڑھکتا پھرے گا اور دھاگے کے سرے اس کے پیچھے پیچھے گھسٹ رہے ہوں گے؟ وہ کسی کو نظر تو نہیں آتا لیکن یہ خیال کہ اغلباً وہ میرے بعد تک زندہ رہے گا، مجھے اذیت ناک سا معلوم ہوتا ہے۔"[15]

اس کہانی میں روز مرہ کی زبان میں بیان ہونے والے ماورائی تخیلات کو جس طور سے ٹھوس حالت میں پیش کیا گیا ہے آگے چل کر ان میں نیر مسعود کے افسانے کے وجودیاتی مسائل کو خاص طور سے متاثر کیا۔

اگلا افسانہ۔"بے خیالی میں کھڑکی سے دیکھنا" ہے۔ اس میں نفسیاتی اور جسمانی اعتبار سے بچوں کی ذات پر بڑوں کے اثرات کو نہایت ایجاز سے بیان کیا گیا ہے۔ اگلے افسانے "حویلی کے پھاٹک پر دستک" کے دو صفحوں کا ماحول تعقلی سطح پر The Trial سے بہت ملتا جلتا ہے جس میں متکلم اور اس کی بہن پر ایک پھاٹک پر دستک دینے کے عوض انھیں انہونی سی سزا دے کر زندانی بنا دیا جاتا ہے۔ افسانے کی آخری سطریں ملاحظہ ہوں:

> "وہ جگہ سرائے کے کمرے سے زیادہ کسی قید خانے کی کوٹھڑی معلوم ہوتی تھی۔ پتھر کی بڑی بڑی سلوں کا فرش، سیاہ اور بالکل ننگی دیواریں جن میں سے ایک میں لوہے کا حلقہ جڑا ہوا بیچ میں بچھی ہوئی ایک چیز، کچھ بستر کی سی، کچھ جراحی کی میز کی سی۔ کیا اب میں زنداں

کی فضا کے سوا کسی اور فضا کی تاب لا سکتا ہوں؟ اصل سوال یہی ہے یا شاید ہوتا بشرطیکہ
مجھے اب بھی امید ہوتی کی میں یہاں سے نکل سکوں گا۔"(16)

اس افسانے (بالعموم سبھی افسانوں کے ساتھ یہ ہی معاملہ ہے چاہے۔ نیر مسعود بطور افسانہ نگار اسے جھٹلائیں) کی فضا میں 'عطر کافور'' کی پیش گشت نہایت واضح طور دکھائی دیتی ہے۔ اگلا افسانہ "پل کی تمثیل" ہے جس میں وہ دریا کے اوپر اوپر اپنی فطری کیفیات کو وجودیاتی اظہار سے سامنے لاتا ہے مثلاً ملاحظہ ہو:

"ایک بار بن جانے کے بعد کسی بھی پل کو بنے رہنے کے سوا چارا نہیں تاوقت یہ کہ وہ گر نہ
جائے۔ میں گر گیا اور دم بھر میں ان نکیلی چٹانوں نے چھید چھید کر میرے چیتھڑے اڑا
دئے جو بہتے پانی سے منہ نکالے ہر وقت چپ چاپ مجھے تکتی رہتی تھیں۔"(17)

اگلے افسانے کا عنوان "بالٹی سوار" ہے۔ عاصم بٹ نے اس افسانے کو "ڈولچی سوار" کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔ اس افسانے میں حسب معمول گہری سردیوں کے موسم میں کوئلے کی عدم دستیابی سے متکلم کے ذہن میں پیدا ہونے والی سرد موت کو موضوع بنایا گیا ہے اور وہ بستی یا مابعد و ما قبل بستی میں کوئلے کی بالٹی کا طلب گار ہوتا ہے جہاں بیک وقت ایک سیدھا سادہ اور پر اثر ار ایک بوڑھا جوڑا کوئلہ فراہم اور عدم فراہم کرتا ہے۔ افسانے کی فضا میں دوسری جنگ عظیم کے نتیجے میں پیدا ہونے والے پنکال اور بھوک کو واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ سرد شاموں کی خوف انگیز فضا سے اثر کشید کرتے ہوئے اس افسانے کی بیانیہ فضا اتنی واضح ہے کہ بالکل سامنے کی چیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ایسے ہی سامنے کی جیسے ہوا جو موجود تو ہے، اس کی موجودگی پر ایمان بھی ہے لیکن اس کے وجود کا ٹھوس ثبوت پیش کرنا مشکل ہے۔

دسویں کہانی "ایک عام خلفشار" جدید زندگی کے ناقابل گریز خلفشار کی کہانی ہے جس کے پردے میں وقت کی اضافیت کو ظاہر کر کے ایک نئی تکنیک وضع کی گئی ہے۔ اس تکنیک میں ایک ہی طرح کے فاصلے مقصد پر یقین اور عدم یقین ہونے کی وجہ سے گہرے امتیازات کے حامل ہو جاتے ہیں۔ کہانی کا موضوع نہایت تجریدی اور فلسفیانہ ہے لیکن کرداروں کی حرکات و سکنات نے اسے ٹھوس حقیقت بنا دیا ہے۔ گیارھویں کہانی کا عنوان ''ایک چھوٹی سی کہانی'' ہے۔ اس کہانی کی خاص بات یہ ہے کہ اسے منیر الدین احمد نے بھی اپنی کتاب ''آدمی جو خود سے دور ہو گیا'' میں شامل کیا ہے۔ منیر الدین احمد جرمن زبان کے نہ صرف بہت بڑے عالم بلکہ فکشن نگار بھی تھے۔ انھوں نے اس کہانی کو نیر مسعود کے برخلاف براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ کیا ہے۔ دونوں کے ہاں خفیف امتیازات ہیں۔ نیر مسعود نے اپنے انٹرویو میں لکھا ہے:

"ترجمہ کرنے میں ایک دقت اور ہوتی ہے خاص طور پر میرے جیسے لوگوں کو جو انگریزی
سمجھ تو لیتے ہیں لیکن انگریزی کے ماہر نہیں ہیں۔ ہر زبان کے لہجے کی ایک فضا بھی ہوتی ہے
جو میں یا میری قابلیت کے لوگ نہیں سمجھ پائیں گے۔"(18)

انگریزی کی مہارت پر نیر مسعود نے اس بیان سے کسر نفسی کو بڑھا کر قتل نفسی کر دیا ہے لیکن بات اپنی نہاد اور اصول میں درست ہے اور اگر اس کو مد نظر رکھا جائے تو شاید منیر الدین احمد کا افسانہ براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ ہونے پر زیادہ قابل اعتماد معلوم ہو لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سمجھنے کی ہے کہ بول چال کی اُردو اور اس کی روز مرہ سطح پر نیر مسعود کا ترجمہ زیادہ مانوس معلوم ہوتا ہے۔

کتاب میں موجود بارہویں کہانی کا عنوان " دوغلا" ہے یہ کہانی بنیادی طور پر ایک نادیدہ جانور اور اس کی نوع پر تامل کرنے والی داستان ہے۔ نیر مسعود نے فارسی کہانیوں کے ابتدائی مضمون میں لکھا تھا کہ جدید فارسی کہانی میں ایران کے نباتیہ و حیوانیہ (Flora and Fauna) کو جتنی جگہ ملی ہے اُردو کہانی میں اس کا پرتو تک نہ آسکا۔ یہی حال کافکا کے تراجم میں بھی ہے کافکا کی ان بیس ترجمہ شدہ کہانیوں میں کئی کہانیاں بلواسطہ یا بلا واسطہ جانوروں پر مشتمل ہیں البتہ ایڈگر ایلن پو کی طرح کافکا بھی جن حیوانوں کو اپنی کہانی کے خام مال کے لئے کام میں لاتا ہے وہ وجودی اعتبار سے تو جانور معلوم ہوتے ہیں لیکن علامتی اعتبار سے کوئی اور شے ہے۔ اس طرح کے جانور عام دنیا میں دیکھے نہ سنے جاتے ہیں ہم انھیں اپنی سہولت کے لئے وضعی حیوانات (Fabricated Aanimals) سے منسوب کر سکتے ہیں۔ دوغلہ کہانی میں بھی متکلم کے پاس ایک عجیب الخلقت جانور ہوتا ہے۔ آدھا بلی آدھا بھیڑ کا بچہ۔ یہ اس کے باپ کا ترکہ ہوتا ہے اس کی عادات میں طرفگی پائی جاتی ہے لوگ اس کو دیکھ کر ششدر رہ جاتے ہیں جبکہ وہ اپنی ذات میں مست رہتا ہے۔ متکلم کے ساتھ اس کا رشتہ مالکانہ شناسائی پر مبنی محبت کا ہوتا ہے۔ بلی اور بھیڑ کے بچے کے طور پر دوغلہ پن (Hybridness) اس کی سرشت کا حصہ ہے لیکن اس کی ایک تیسری جہت بھی ہے جو انسانی ہے جو اس کی آنکھ سے آنسو ٹپکا سکتی ہے مالک کی باتوں پر سر کی جنبش سے رد عمل دے سکتی ہے اور پیار اور نفرت کے اظہار کے نشانات کو واضح کر سکتی ہے۔ ایسا جانور کافکا نے تو وضع کیا ہی ہے کہیں کہیں علامتی طور پر اُردو کی کلاسیکی شاعری میں بھی مل جاتا ہے۔ میر کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

شب ہا بحال سگ میں اک عمر صرف کی ہے
مت پوچھ ان نے مجھ سے جو آدمی گری کی (19)

کہانی کے آخر میں متکلم اس غریب الجسم کو مارنے کی سوچتا ہے اور جانور اور انسان دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ یہ افسانہ فریدون کے افسانے۔"گربہ ام را کشتم" سے بہت ملتا ہے۔ یہ الگ سوال ہے کہ نیر مسعود نے جس فارسی افسانے اور کافکا کے افسانے کو ترجمے کے لئے انتخاب کیا ہے دونوں جانور کو قتل کرنے یا قتل کرنے کے

ارادے پر منتج ہوتے ہیں۔ خود نیر مسعود کی کہانیوں میں جگہ جگہ بلیلاں ملتی ہیں لیکن یہ برائے گفتن کی ذیل میں آتی ہیں۔

تیرہویں افسانے کا نام "لباس" ہے جو دراصل ایک تعمیقی تاثر ہے، اس میں ایک عمیق ذہن کا متکلم نہایت پر تکلف اور چسپاں وچسیدہ ملبوسات میں مزین عورتوں کو دیکھتا ہے اور ان کے لباس پر فکر انگیز طور سے اظہار کرتا ہے اور وہ اظہار وہی ہے جسے مشرقی شعریات کی زبانی وزیر آغا نے یوں بیان کیا ہے:

لازم نہیں کہ سارا جہاں خوش لباس ہو
میلا بدن پہن کے نہ اتنا اداس ہو[20]

افسانے کی پہلی دو سطروں کا ترجمہ اُردو زبان سے اتنا قریب ہے کہ دلی لکھنو کا مال معلوم ہوتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اکثر جب میں ایسے لباس دیکھتا ہوں جن میں طرح طرح کی چنٹیں دی ہوئی، گوٹیں ٹکی ہوئی اور جھالریں لگی ہوئی ہوتی ہیں، جو حسین جسموں پر نہایت چست بیٹھتے ہیں تو میں سوچتا ہوں کہ وہ اپنی ہمواری زیادہ عرصے تک برقرار نہ رکھ پائیں گے۔۔۔"[21]

چودھویں افسانے کا نام "قصبے کا ڈاکٹر" ہے۔ ہر وہ شخص جو مغربی افسانے کی روایت سے واقف ہے یہ نام سنتے ہی چونک اٹھتا ہے کیوں کہ اسی نام کا ایک شاہکار افسانہ کافکا سے بیس تیس برس پہلے کے لازوال افسانہ نگار انتون چیخوف کا بھی ہے۔ حیران کن حد تک کافکا کے افسانے کی فضا موسم ڈاکٹر کا کردار بھی چیخوف کے افسانے کی مجموعی کیفیت سے بے حد مماثلت رکھتا ہے۔ لیکن ہر بڑے فنکار کی طرح کافکا نے چیخوف سے اگر کچھ مستعار لیا بھی ہے تو کولرج کی زبان میں یہ عمل ایسا ہے کہ خود ادھار لینے کے عمل ہی سے قرض کی ادائیگی ہو جاتی ہے۔ کافکا نے حسب معمول کہانی کے مرکزی کردار ڈاکٹر، اس کی ملازمہ روز، جنسی طور پر برانگیختہ سائیس، مریض کے نادر زخم، اس کے ہمت کھوئے ہوئے تیماردار اور کہانی کی فضا کو مجموعی طور پر اس طرح سے ترتیب دیا ہے جو چیخوف کی زمینی کیفیتوں (Earthness) سے بہت مختلف ہے اور وجودی پیرائے رکھتی ہیں۔ قصبے کا ایک ڈاکٹر مجہول الاسم خاندان کے مریض کے علاج کے لئے پر تولتا ہے، گھوڑے کی عدم دستیابی کی وجہ سے ایک سائیس اسے اپنے دو گھوڑے تو عنایت کر دیتا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ اس کی ملازمہ روز کو بطور قیمت وصول کرنے کی فکر میں ہے دوسری جانب مریض عجیب وغریب زخم کا شکار ہے اس کے تیماردار زندگی سے مایوس ہیں لیکن ڈاکٹر سے خدائی امید لگانے کی وجہ سے ڈاکٹر کو مریض کے ساتھ کمرے میں زبردستی بند کر دیتے ہیں جہاں سے بے شمار ذہنی خلفشاروں کے ساتھ ڈاکٹر بھاگ نکلتا ہے لیکن بھاگ کر بھی اس کے وجود اور نفسیات کے تانے بانے یوں بکھر جاتے ہیں کہ وہ خود کو، اپنی ڈاکٹری کو، اپنی ملازمہ کو اور اختیارات کو بے دست وپا محسوس کرتا ہے۔ ترجمے کا نمونہ ملاحظہ کریں:

"نوجوان واقعی بیمار تھا، اس کے داہنے پہلو میں کوہلے کے قریب میری ہتھیلی کے برابر کھلا ہوا زخم تھا، مختلف طرح کے ہلکے اور گہرے سرخ رنگ کا، گہرائی میں گہرا سرخ، کناروں پر ہلکا سرخ، کچھ کچھ کھرنڈ آیا ہوا، خون کے بے ترتیب لختے جمے ہوئے، یوں کھلا ہوا جیسے دن کی روشنی میں مسطح کان۔"(22)

پندرہویں افسانچے کا عنوان "درخت" ہے۔ اس کی جرمن قرات کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ معنویت میں اپنی مثال آپ ہے ویسے بھی المانوی زبان میں حروف تنکیر و تخصیص (der, die, das, denn) کی باریکی انگریزی کے A, An, The سے کئی زیادہ وقیع اور گہری ہے۔ نیر مسعود نے چونکہ اس کا ترجمہ المانوی کی بجائے انگریزی سے کیا ہے لہذا یہ ترجمہ عمدہ ہونے کے باوجود ہر سطح کو محیط نہ ہو سکا۔ مثلاً

ا۔ ایسا ہے کہ ہم برف میں درختوں کے تنوں کی طرح ہیں۔ اس سطر کا یہ ترجمہ رواں ہیں، لیکن جرمن زبان میں متن ملاحظہ ہو:

Denn wir Sind wie Baumstamme im Schnee.

جرمن میں wie کے معنی ایسا ہے کے ساتھ ساتھ جیسا ہے اور جب کہ دونوں ہو سکتے ہیں، ان دیگر معنوں سے جملے کی ساخت بنائیں تو جملے کے معنی میں خاصا فرق پڑ سکتا ہے۔ یہ افسانہ چوں کہ محض پانچ سطروں کا ہے، دیگر طویل افسانوں میں بھی ایسا ہی ہو گا، انگریزی ترجمے کی عمدگی کے باوجود لفظ کے سائے ترجمے میں نہ آپانے سے ترجمہ در ترجمہ کی صورت حال میں کچھ نہ کچھ تغیر تو پیدا ہوا ہو گا۔

سولہویں افسانے کا نام "نیا وکیل" ہے۔ یہ افسانہ ڈاکٹر بسفیلس کے سکندر مقدونی کے گھوڑے کے ساتھ تشابہہ کہ نشانی پر مشتمل ہے اور اس کہانی کے ضمن میں جدید دور کے انسان کے مسائل سکندر اعظم کے زمانے میں بہادری کے قصے ان کے سب و شتم کے اندر پوشیدہ اخلاص اور جدید انسان کے اخلاص میں پوشیدہ ریاکاری کی باتوں کو ایک تمثیل کی صورت میں بیان کرتا ہے لیکن اگر موجودہ زندگی میں سکندر کا گھوڑا ہوتا تو وہ جنگ کے شور سے دور کمرے کی پر سکون روشنی میں قدیم مجلدات کے اوراق دیکھتا اور پلٹتا رہتا۔ جدید انسان کے حمق پر یہ افسانہ جس شدت سے چوٹ کرتا ہے اس سے ن م راشد کی نظم "وزیرے چنین" یاد آتی ہے خصوصاً اس کے آخری مصرعے:

"۔۔۔۔ تو لوگوں نے دیکھا
جنابِ وزارت پنہ اب
فراست میں
دانش میں

اور کاروبار و وزارت میں
پہلے سے بھی چاق و چوبند تر ہو گئے ہیں۔"[23]

اگلے افسانچے کا نام "اگلا گاؤں" ہے۔ جس میں زندگی کے اختصار کو ایک گاؤں سے اگلے گاؤں کے سفر کے کی مدت کی تمثیل میں اس خوبصورتی سے بیان کیا گیا ہے، ترجمہ ملاحظہ کریں:

"میرے دادا کہا کرتے تھے زندگی حیرت خیز حد تک مختصر ہے میں تو جب اپنی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو یہ اتنی قلیل معلوم ہوتی ہے کہ مثال کے طور پر میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی نوجوان اس اندیشے کے بغیر اگلے گاؤں کو روانہ ہونے کا ارادہ کس طرح کر سکتا ہے کہ ایسے سفر میں جتنا وقت درکار ہو گا اس کے لئے، حادثوں سے قطع نظر، ایک پوری خش و خرم طبعی زندگی کی مدت بھی کم پڑ سکتی ہے۔"[24]

غور کریں تو یہ ایک گاؤں سے اگلے گاؤں کا سفر نہیں ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان زمین و آسمان اور ذات و کائنات کے اندر در آنے والے پیچیدہ امتیازات کے اندیشے ہیں یا پھر صورت خیال کے اس خیال سے غالب کا مقبول عام شعر یاد آنا لازمی ہے:

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یارب؟
ہم نے دشت امکاں کو ایک نقش پا پایا

اٹھارویں کہانی کا عنوان "گیدڑ اور عرب" ہے۔ یہ افسانہ بے حد مقبول ہے اور اس کی اُردو میں کم سے کم چار تراجم ہو چکے ہیں۔ اصل میں اس میں ایک کردار متکلم، ایک عرب اور گیدڑوں کے جتھے کا ہے جو عربوں سے نالاں ہیں اور عرب ان کو دور ہنکاتا رہتا ہے۔ غور کیا جائے تو اس کہانی میں یورپی کو گیدڑوں کے مسیحا کے طور پر پیش کیا گیا ہے کیوں کہ گیدڑ اسے بار بار میرے آقا اور میرے مالک کے الفاظ سے پکارتے ہیں۔ گیدڑ اسے کہتے ہیں کہ ہماری نسل کو صدیوں سے تمہارا انتظار تھا تم مسیحا ہو، اقتباس ملاحظہ ہو:

"اب ہم عربوں کے ہاتھوں پریشان نہیں ہونا چاہتے ہم سانس لینے بھر کی گنجائش چاہتے ہیں ایسا مطلع چاہتے ہیں جو ان سے صاف ہو، ان کے ہاتھوں ذبح ہوتی ہوئی بھیڑوں کا ممیانا نہیں سننا چاہتے ہر حیوان قدرتی موت مرے۔ جب تک ہم مرے ہوئے ڈنگروں کو چچوڑ کر ان کی ہڈیاں نہ صاف کر دیں اس وقت تک کوئی مداخلت نہ ہو۔"[25]

لیکن عرب قینچی اور ان کی گردن اڑا دینے کے ذکر سے ہی ان کے حواس مختل کر دیتے ہیں۔ اس افسانے کے اثرات اتنے اہم ہیں کہ انتظار حسین کے ہر قاری کو "شہر افسوس" کہ کہانی "شرم الحرم" میں بھی واضح دکھائی دیتے ہیں۔

انیسویں افسانچے کا عنوان "ریڈ انڈین ہونے کی خواہش" ہے اس افسانچے میں ریڈ انڈین ہونا اس لئے باعث اعزاز سمجھا جارہا ہے کہ وہ چیزوں کو قابو میں رکھنا جانتا ہے۔ ملاحظہ ہو:

"اور ابھی اس نے سامنے برابر سے کٹی ہوئی جھاڑیوں والی زمین کو دیکھا ہی ہوتا کہ گھوڑے کی گردن اور سر اڑ بھی گئے ہوتے۔"(26)

اس مجموعے کے نسبتاً آخری طویل افسانے کا عنوان "فیصلہ" ہے۔ اس کے عنوان کے نیچے قوسین میں ذیلی عنوان کے طور پر لکھا ہے ف کے لئے ایک کہانی۔ یہ کہانی بنیادی طور پر دو دوستوں کے درمیان خط کتابت سے شروع ہوتی ہے جارج نامی دوست اپنے ایک دوست کو خط لکھتا ہے جو کاروبار کے سلسلے میں پیٹرز برگ روس روانہ ہو جاتا ہے اس کا کاروبار شروع شروع میں تو بہت چمکتا ہے لیکن آہستہ آہستہ بگڑنے لگتا ہے۔ جارج اسے خط لکھ کر مشورہ دیتا ہے کہ اگر تم واپس آنا چاہو تو اپنے ملک واپس آ جاؤ۔ اس مشورے کے دوران وہ کئی باتیں سوچتا ہے مگر لکھ نہیں پاتا۔ جارج اسے اپنی منگیتر کے بارے میں آگاہ کرتا ہے کہ وہ کھاتے پیتے گھرانے کی لڑکی ہے۔ یہ آگاہی جارج کے دوست کی خراب حالت کے فرق کے طور پر زیادہ کھل کر سامنے آتی ہے۔ جارج کے دوست کی والدہ کا پردیس میں انتقال ہو جاتا ہے اور والد تنہائی کا شکار ہو جاتا ہے۔ جارج اپنے دوست کے والد کا قصہ اپنے والد کو سناتا ہے تو اس کا والد اس سارے قصے کے اصل ہونے پر شک کر کے سوال کھڑا کرتا ہے کہ کیا اس کا دوست حقیقی وجود بھی رکھتا ہے یا صرف خیالی کردار ہے۔ کہانی کے آخر میں جارج اپنے والد کو اپنے نئے مکان میں رہنے کی دعوت دیتا ہے جبکہ وہ اور اس کی منگیتر یہ حتمی طور پر سوچ چکے ہیں کہ اس کا والد ان کے ساتھ نہیں آئے گا۔ والد کا کردار غیر متوقع طور پر اتنا بڑھ جاتا ہے کہ وہ جارج کے دوست کے ساتھ رابطے میں آ جاتا ہے۔ دوست اسے انقلاب روس کے محیر العقول قصے سناتا ہے اس اپنائیت سے جارج کا والد اپنے بیٹے سے نظر انداز کرنے کا گلہ کرتا ہے۔ اس تلخ بیانی پر آخر میں جارج پل سے چھلانگ لگا کر خودکشی کر لیتا ہے۔ یہ افسانہ بنیادی طور پر زندگی میں کیفیات و وظائف کی تقلیب (Transformation) کو نہایت خوبصورت اور پیچیدہ منطق کے ذرائع بیان کرتا ہے۔

ان تراجم کو مجموعی طور پر دیکھنے سے یہ بات الم نشرح ہوتی ہے کہ نیر مسعود نے کافکا کو جس زبردست کامیابی کے ساتھ بیان اور اسلوب کی سطح پر ترجمہ کیا ہے، اسی باکمال طور سے فکری حوالے سے خود اپنی کہانیوں کا خام مال بھی تیار کیا ہے۔ نیر مسعود کے ہاں ترجمے کی یہ کیفیت اپنے استکمال کو اس لئے بھی پہنچتی ہے کہ دونوں مصنفین کی مرموز شخصیات میں بڑی حد تک اشتراک اور ہم آہنگی ہے۔ نیر مسعود نے خود لکھا ہے:

"میں بچپن میں (Somnambulism) کا بھی مریض رہا جس کی وجہ سے میری والدہ سمجھتی تھیں کہ اس پر جنات آتے ہیں وہ مجھ کو جنات ہی کہتی تھیں۔"(27)

انھی باتوں کے داخلی محرک کی بناپر آج بھی نیر مسعود کے افسانے میں کافکا کے فن کی پر اسراریت کے لمبے اور ہلکورے لیتے ہوئے سایوں کو محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اجمل کمال نے ان تراجم کے بارے میں بجاطور پر لکھا ہے:

"کافکا کی تحریروں پر یوں تو اُردو کے متعدد مترجمیں نے طبع آزمائی کی ہے لیکن یہ ترجمے ان تمام کوششوں میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔"(28)

حواشی وحوالہ جات

1۔ نیر مسعود (مترجم)، کافکا کے افسانے، کتاب نگر، 1978ء، فلیپ

2۔ ایضاً، فلیپ

3۔ انیس اشفاق، نیر مسعود: ہمہ رنگ ہمہ داں، لکھنؤ، 2021ء، ص 23

4۔ نیر مسعود (مترجم)، کافکا کے افسانے، ص 14

5۔ نیر مسعود، ساگری سین گپتا: نیر مسعود سے ایک گفتگو مشمولہ منتخب مضامین، آج، کراچی، 2009ء، ص 413

6۔ نیر مسعود (مترجم)، کافکا کے افسانے، ص 21

7۔ ایضاً، ص 21

8- عاصم بٹ (مترجم)، کافکا کی کہانیاں، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، 2008ء ص 193

9۔ ااایضاً، ص 194

10۔ انیس اشفاق، نیر مسعود: بیجہ رنگ ہمہ داں، ص 33

11۔ نیر مسعود (مترجم)، کافکا کے افسانے، ص 24

12۔ ایضاً، ص 28

13۔ نیر مسعود "ساگری سین گپتا: نیر مسعود سے ایک گفتگو"، ص 285

14۔ مرزا فرحت اللہ بیگ، ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی، کچھ ان کی کچھ میری زبانی، آج، کراچی، 2008ء، ص 52

15۔ نیر مسعود (مترجم)، "کافکا کے افسانے، ص 31

16۔ ایضاً، ص 34

17۔ ایضاً، ص 33

18۔ نیر مسعود "ساگری سین گپتا: نیر مسعود سے ایک گفتگو"، ص 439

19۔ میر تقی میر، دیوانِ میر، جلد اول، مرتب: کلب علی خان فائق، مجلس ترقی ادب، لاہور، 1990ء

20۔ وزیر آغا، "چہک اٹھی لفظوں کی چھاگل، اساطیر بکس، لاہور، 1991ء

21۔ نیر مسعود (مترجم)، کافکا کے افسانے، ص47
22۔ ایضاً، ص52
23۔ ن م راشد، کلیات راشد، ماورا، لاہور، 1994ء
24۔ نیر مسعود (مترجم)، کافکا کے افسانے، ص59
25۔ ایضاً، ص63
26۔ ایضاً، ص65
27۔ نیر مسعود، ساگری سین گپتا: نیر مسعود سے ایک گفتگو، ص431
28۔ نیر مسعود (مترجم)، کافکا کے افسانے، فلیپ

References in Roman Script:

1. Naiyar Masud (Mutarjim), Kafka k Afsane, Kitab Nagar, 1978, FlaP.
2. Ibid., Flap
3. Anis Ashfaq, Naiyar Masud: Hama Rang Hamadan, Lucknow, 2021, P.33
4. Naiyar Masud (Mutarjim), Kafka k Afsane, P.14
5. Naiyar Masud, Sagri Seen Gupta: Naiyar Masud se ayk guftgoo, Mashmoola Muntakhab Mazamin, Aaj, Karachi, 2009, P.413
6. Naiyar Masud (Mutarjim), Kafka k Afsane, P.21
7. Ibid., P.21
8. Asim Butt (Mutrajim), Kafka Kahaniyan, National book Foundation, Islamabad, 2008, P.193
9. Ibid., P.194
10. Anis Ashfaq, Naiyar Masud: Hama Rang Hamadan, P.33
11. Naiyar Masud (Mutarjim), Kafka k Afsane, P.24
12. Ibid., P.28
13. Naiyar Masud, Sagri Seen Gupta: Naiyar Masud se ayk guftgoo, Mashmoola Muntakhab Mazamin, P.285
14. Mirza Farhat Ullah Baig, Depti Nazir Ahmad ki kahani, kuch Un ki kuch meri Zbani, Aaj, Karachi, 2008, P.52
15. Naiyar Masud (Mutarjim), Kafka k Afsane, P.31
16. Ibid., P.34
17. Ibid., P.33
18. Naiyar Masud, Sagri Seen Gupta: Naiyar Masud se ayk guftgoo Mashmoola Muntakhab Mazamin, P.439
19. Mir Taqi Mir, Deevan e Mir Vol-1, Murattib: Kalab Ali Khan Faiq, Majlis traqi e adab, Lahore, 1990
20. Wazir Aagha, Chahek Othi Lafzoon ki chagal, Asateer Books, Lahore, 1991
21. Naiyar Masud (Mutarjim), Kafka k Afsane, P 47
22. Ibid., P.52
23. Noon Meem Rashid, Kuliyat e Rashid, Mawra Books, Lahore, 1994

24. Naiyar Masud (Mutarjim), Kafka k Afsane, P.59
25. Ibid., P.59
26. Ibid., P.63
27. Naiyar Masud, Sagri Seen Gupta: Naiyar Masud se ayk guftgoo, Mashmoola Muntakhab Mazamin, P.431
28. Naiyar Masud (Mutarjim), Kafka k Afsane, Flap